شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے صفات و کمالات

از جناب استاد محمد ابوزہرہ ـــــ ترجمہ ـــــ سید رئیس احمد جعفری ندوی

زیر اشاعت کتاب "حیات امام ابن تیمیہؒ" کا ایک باب

غیر معمولی قوت حافظہ اگر امام ابن تیمیہ کے صفات و کمالات کا جائزہ لیا جائے تو سرفہرست جو چیز نظر آئے گی وہ ان کی حیرت انگیز قوت حافظہ ہے، غور کرو تو علم کی بنیاد اساس حافظہ ہی پر ہے، تاریخ کے صفحات پر ان لوگوں کی فہرست بہت مختصر ہے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے امام صاحب سا حافظہ عطا کیا گیا ہو، ان کی یہ صلاحیت عہد طفولیت ہی سے نمایاں تھی، یہ بچپن ہی کا تو واقعہ ہے کہ چند حدیثیں لکھیں، ان پر ایک نظر ڈالی، اور منہ زبانی فر فر سنا دیا پھر جب جوانی کی سرحد میں قدم رکھا، تو ہم عصر، علماء سے بحث و مباحثہ، مناظرہ اور مجادلہ کی نوبت آئی تو وہ حافظہ ہی کی خداداد صلاحیت تھی جس نے ہر ایک میں انہیں غالب اور نمایاں رکھا، اور یہ حافظ ذہبی کے کلام میں ایک واقعہ کا ذکر آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس کے علاوہ کواکب دریہ میں ہے۔

"عجیب اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ امام صاحب نے جیل میں متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں اور ان کتابوں میں احادیث نبوی سے استشہاد کیا، آثار درج کئے، علماء کے اقوال پیش کئے محدثین و مؤلفین کے نام زیر بحث لائے ان کی تصنیفات و تالیفات کا حوالہ دیا اور یہ سب کچھ محض حاضر دماغی کا نتیجہ تھا، کیونکہ مطالعہ اور مراجعت کے لئے کوئی کتاب تو پاس تھی نہیں، امتحاناً کافی تجسس کیا گیا کہ شاید کوئی غلطی نکل آئے۔ لیکن الحمد للہ، امام صاحب کے دیئے ہوئے حوالوں میں کہیں کوئی خلل یا تغیر نظر نہ آیا"[1]

اس بیان میں کچھ مبالغہ ہو سکتا ہے کیونکہ امام صاحب کے مطالعہ اور سامان تحریر پر پابندی آخری اسیری کے دور میں عائد کی گئی تھی، لیکن اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام صاحب کے غیر معمولی حافظہ نے کس طرح ضرب المثل کی حیثیت حاصل کر لی تھی، جس سے دوست خوش ہوتے اور دشمن جلتے تھے۔

عمق و تامل صفات ابن تیمیہ میں دوسری اہم چیز، عمق و تامل ہے، امام صاحب مسائل پر بحث و درس

[1] الکواکب الدریہ ص ۱۵۵

کے سلسلہ میں بڑی گہری نظر ڈالتے تھے بلکہ ایسا بھی ہوتا رہا کبھی کبھی ایک مسئلہ کی گتھی حل کرنے میں کئی کئی راتیں آنکھوں میں کٹ جاتیں۔ یہاں تک کہ اغلاق کو دور کر دیتے، اور امر جازم تک پہنچ جاتے، وہ آیات و احادیث قضایائے عقلی، میزان و قیاس ہر طرح سے کام لیتے، فکر مستقیم برابر رفیق و دمساز رہتی، یہاں تک کہ حق واضح ہو جاتا، اس عمق و تامل، غور و فکر میں تخلیق و تدقیق نے امام صاحب کو ایسا عالم بنا دیا جو غوامض حقیقت تھا، احادیث نبویہ اور آیات قرآنیہ سے استنباط معانی میں وہ دوسرے علماء پر غیر معمولی امتیاز کے حامل تھے چنانچہ الکواکب الدریہ میں ہم دیکھتے ہیں:۔

"امام صاحب ابن تیمیہ کو خدائے بزرگ و برتر نے جو صفات و کمالات عطا فرمائے تھے ان میں ایک یہ بات بھی تھی کہ الفاظ نبویہ اور اخبار مرویہ سے استنباط معانی میں انہیں غیر معمولی درک حاصل تھا چنانچہ مسائل میں وہ ان صفات کے باعث واضح دلائل قائم کرتے تھے لفظ کے مفہوم و منطوق کو بڑی خوبی سے بیان کرتے تھے، خاص اور عام، مقید اور مطلق نیز ناسخ اور منسوخ کی وضاحت خوب کرتے تھے پھر ان سب کی تبیین ضوابط و لوازم اور ملزومات و ما یحتاج اور ما یترتب کی تشریح توصیف ایسی کی کہ اس کی تعریف نہیں کی جا سکتی"[1]

خلاصہ یہ کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ غیر معمولی حافظے کی دولت ہی سے مالا مال نہیں تھے۔ بلکہ فکر عمیق بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو مرحمت ہوا تھا، سرسری نظر مسائل پر نہیں ڈالتے تھے۔ بلکہ بار بار غور و فکر کے بعد ایسے موتی نکالتے کہ عقلیں حیران ہو جاتیں اور مخالف ششدر رہ جاتے

حاضر دماغی امام صاحب کی تیسری صفت، حاضر دماغی ہے ——— ! اپنی غیر معمولی قوت حافظہ اور فکر و تعمق کے علاوہ، حاضر دماغی کے اعتبار سے بھی وہ یکتا تھے، حاضر دماغی کا یہ عالم تھا کہ جیسے کوئی مستعد سپاہی پہلی آواز پر لبیک لبیک کہتا بڑھتا ہے اسی طرح بغیر کسی جد و جہد اور سعی و کوشش کے ان کا دماغ ذرا سے اشارے پر تہ تک پہونچتا اور کام کی بات نکال لاتا تھا، مناظرہ کے موقع پر وہ حریف مقابل کو اپنی یادداشت اور حاضر دماغی سے عاجز اور درماندہ کر دیتے تھے، وہ حیرت اور بے بسی سے ان کا منہ تکتا رہ جاتا تھا، کوئی جواب نہیں بن آتا تھا۔ حریف کے لئے ممکن نہ تھا کہ امام صاحب کے اذکار و خیالات اور دلائل و براہین کا رد بغیر طویل مطالعہ امعان نظر، اور مراجعت کتب کے فی الفور

[1] الکواکب الدریۃ صفحہ ۱۵۵

طور پر کو سکے یہی اس کی ہار تھی اور امام صاحب کی جیت

امام صاحب کے ایک شاگرد رشید ابو حفص البزار[1] فرماتے ہیں:-

امام ابن تیمیہ جب درس شروع کرتے تو اللہ تعالیٰ ان پر علوم کے اسرار و غوامض اور لطائف و دقائق اور منقولات و معقولات علماء نیز اشعار عرب سے استشہاد و استدلال کے دروازے کھول دیتا، اور وہ اس طرح رواں دواں چلتے، جیسے دریائے ذخار و مواج[2]

آگے چل کر "الکواکب الدریہ" میں بتایا گیا ہے:

کہ جب امام صاحب سے سوال اور مناقشہ کیا جاتا، تو وہ اسی سرعت اور برجستگی سے جواب دیتے جس نے انہیں مشہور امام کر رکھا تھا، پھر جواب بھی ایسا کہ دوسرا کوئی عالم مدت کی محنت و مطالعہ کے بعد اگر مستقل تصنیف بھی کرتا تو شائد اس کی رسائی وہاں تک نہ ہو سکتی[3]!

امام صاحب کی یہ وہ صفت تھی جس نے مخالفوں اور حریفوں کو پریشان کر رکھا تھا۔ وہ امام صاحب سے مقابلہ کرتے جھجکتے تھے اور جو حریف امام صاحب کی اس صفت کو خاطر میں نہ لاتا اور میدان میں اپنی قوت علم و استدلال کے گھمنڈ پر کود پڑتا اس کی عبرت انگیز حالت قابل دید ہوتی امام صاحب اسے زچ کر کے رکھ دیتے، واقعہ یہ ہے کہ بحث و گفتگو کے میدان میں ان پر کبھی کوئی غالب نہیں آسکا، اور یہی وجہ ہے کہ آپ کے مخالف چند فقہا و قضات نے تنگ آکر پہلے مصر اور بالآخر دمشق میں رات دن کوششیں کر کے آپ کو قید کرا دیا، تاکہ ان کی باتیں سننے میں آئیں نہ جواب دینے کی ضرورت پڑے ——!

استقلال فکری چوتھی صفت جو امام صاحب میں بہت زیادہ نمایاں نظر آتی ہے، وہ ہے استقلال فکری، یہ صفت دوسرے تمام صفات پر بھاری ہے، ان کی علمی شخصیت کے بنانے میں اس کا بہت بڑا حصہ ہے اس صفت نے ان میں وہ فضائل اور مزایا پیدا کر دیئے جو دوسرے معاصر علماء میں نظر نہیں آتے

امام صاحب کے معاصرین میں متعدد ایسے بزرگ تھے جو اپنی سرعت فہم و ادراک، اور ذکاوت و

---

[1] ابو حفص عمر بن علی البغدادی المتوفی ۷۴۹ھ الاعلام العلیۃ فی مناقب الامام ابن تیمیہ کے مصنف (مجموعہ الرد الوافر ص ۱۶ ع ج ۲)

[2] الکواکب الدریہ ص ۱۵۴ [3] ایضا ۔ حاضر دماغی کا حیرت انگیز ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ مسئلہ تقدیر کے انکار میں کسی شخص نے کچھ اشعار کہے امام صاحب نے کھڑے کھڑے اس کے رد میں ۱۱۸ سو سے اوپر ابیات کہہ ڈالے (درر کامنہ ص ۱۵۶ ج ۱) یہ پوری نظم مع اشعار مردودہ کے

العقود الدریہ ص ۳۸۳ - ۳۹۳ میں مذکور ہے (ع ج ۲۹)

ذہانت، نیز قوت حافظہ کے اعتبار سے ممتاز تھے ——— لیکن استقلال فکری سے محروم تھے کوئی مسئلہ بھی امام صاحب کے سامنے پیش کیا جائے وہ اسے کتاب وسنت اور آثار سلف صالح کی روشنی میں دیکھتے تھے اور اس روشنی میں جس نتیجہ تک پہونچتے تھے اس کی طرف دعوت دیتے تھے اس کی ذرا پرواہ نہ کرتے تھے کہ لوگ تائید کریں گے یا مخالفت ؛ علماء عصر کی زبان پر جو کچھ جاری ہوتا وہ اس کے تابع نہ تھے۔ عام لوگوں میں مروجہ عقائد کے پیرو نہ تھے، وہ تو صرف دلیل کے سامنے سر جھکاتے تھے اس کی پیروی کرتے تھے۔ وہ لوگوں کے بنائے ہوئے راستہ پہ چلنے کے خوگر نہیں تھے، صرف دلیل ہی کا جادہ تھا جس میں وہ پیروی کرتے تھے۔

اپنے علم مطالعہ کی بنیاد پہ انہوں نے یہ رائے قائم کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ (استمداد و استعانت) کی کوئی دلیل شرع میں نہیں ملتی، بغیر کسی جھجک، اور تامل اور قوت کے انہوں نے یہ بات برسر عام کہہ دی، بہت سے لوگ اس بات پہ خفا ہو گئے، دشمن بن گئے، مخالفت پہ اتر آئے وہ لوگ جن سے دوستی اور حمایت کی امید تھی وہ سب مخالف اور دشمن بن گئے۔ لیکن ان کی رائے کوئی نہ بدل سکا۔ ان کا ہادی ورہنما کوئی نہ تھا، مگر کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کبار تابعین کے آثار!

امام صاحب کے استقلال فکری کے بارے میں ان کے شاگرد رشید ابو حفص، جن کا ابھی ذکر ہو چکا ہے مزید فرماتے ہیں:۔

> جب امام صاحب پر حق واضح ہو جاتا تو اسے دانتوں سے پکڑ لیتے تھے خدا کی قسم میں نے ان سے زیادہ کسی کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں سخت اور بے لچک نہیں پایا۔ اس طرح اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ سب سے زیادہ حریص اور اس کی تائید ونصرت میں پیش پیش رہتے تھے، یہاں تک کہ اگر کسی مسئلہ میں از روئے حدیث وہ کوئی فتویٰ دیتے تھے اور یہ اطمینان ہو جاتا تھا کہ کسی دوسری حدیث سے اس کی تنسیخ ثابت نہیں، تو پھر وہ اس پر عمل کرتے تھے، اس کے مطابق فتویٰ دیتے تھے، اس کے متعلق فیصلہ صادر کرتے تھے اور فقیہوں میں سے کسی کے قول کی پرواہ نہیں کرتے تھے خواہ وہ کیسی ہی بلند پایہ شخصیت کیوں نہ ہو اگر نگاہ عدل سے امام صاحب کے اسلوب

اور روش کو دیکھا جائے تو اعتراف کرنا پڑے گا، کہ وہ ہمیشہ کتاب وسنت کی رہنمائی میں قدم بڑھاتے ہیں، اس راستہ سے انہیں کوئی شخص خواہ وہ کتنا ہی عظیم وجلیل کیوں نہ ہو منحرف نہیں کرسکتا، کتاب وسنت کے بارے میں اپنے قول وعمل پر وہ کسی سے خائف اور مرعوب نہیں ہوتے تھے، نہ کسی امیر سے، نہ بادشاہ سے، نہ تلوار سے کتاب وسنت کے راستہ سے انہیں کسی کا قول بھی نہیں ہٹا سکتا تھا، وہ سختی کے ساتھ کتاب وسنت کی مضبوط رسی پکڑے ہوئے تھے!"[1]

یہی وہ صفت تھی جس نے امام صاحب کو مجدد اسلام بنا دیا، اس لئے کہ وقت کے دوسرے علماء فہم امور میں دوسروں کی عقل پر تکیہ کرتے تھے، دوسروں کی عقل سے اخذ کرتے تھے۔ لیکن یہ مجدد عظیم کسی دوسرے کی فکر سے ذرا بھی متاثر ہوئے بغیر صرف دین کی طرف دیکھتا تھا، وہ رہنمائی قبول کرتا تھا۔ لیکن کسی کی صرف قرآن کریم کی، سنت نبوی کی، آثار صحابہ وتابعین کرام کی۔ چنانچہ امور اسلام کی تجدید میں وہ کامیاب ہوا، وہ غبار، جو اسلام کے روئے زیبا پر مرور ایام سے چھا گیا تھا۔ اس نے صاف کر دیا، اور اسے اس کی اصل اول پر از سر نو واپس لے آیا

طلب حق میں اخلاص کامل امام صاحب کی پانچویں صفت، طلب حق اور تبلیغ دین میں اخلاص کامل ہے!

امام صاحب کا اخلاص بالکل بے لوث اور پاک وصاف تھا۔ وہ ہر آلائش اور غرض سے منزہ تھا، اصل بات یہ ہے کہ اخلاص، مخلص کے قلب کو نور حقیقت سے معمور کر دیتا ہے اور اس میں یہ صلاحیت پیدا کر دیتا ہے کہ اس کا ادراک امور، ادراک مستقیم ہو جس میں کسی طرح کی کجی اور خامی نہ ہو، نہ کوئی ایسی بات جو عقل وخرد کی گمراہی کی موجب اور راہ ہدایت سے دور کر دینے والی ہو۔ کیونکہ وہ اخلاص میں ہے جو فکر مستقیم، عمل مستقیم، اور قول مستقیم کی تشکیل کرتا ہے۔

خدائے تعالیٰ نے امام ابن تیمیہ کو اخلاص کامل کی نسبت سے مالا مال کیا تھا۔ طلب حقیقت کے راستہ میں خدا نے ان کے دل میں خلوص پیدا کیا۔ انہوں نے یہ حقیقت پالی، وہ اس دنیا سے جب رخصت ہوئے، تو ان کا اخلاص ان کے عہد کے لئے ایک نمونہ، اور آنے والی نسلوں

[1] الکواکب الدریہ ص ۶۶

کے لئے ایک پیام بن گیا۔ جو کوئی بھی ان کی تحریروں کا مطالعہ کرتا وہ حقیقت کے نور کو برانگیختہ نقاب اور ساطع دلامع دیکھ لیتا ہے وہ امام صاحب کی تحریروں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کیونکہ ان تحریروں میں ایمان کی حرارت محسوس ہوتی ہے۔

امام صاحب کی ساری زندگی اس اخلاص کامل کا پرتو ہے۔ یہ چیز آپ کی زندگی کے ہر دور میں کارفرما نظر آتی ہے۔ تلاش و تجسس سے کام لیا جائے تو محسوس ہوگا کہ ذیل کے چار امور میں یہ اخلاص بہت نمایاں اور ممتاز ہے۔ جس نے ان کی زندگی کے ہر گوشہ کو روشن اور تابناک بنا دیا۔

ان امور اربعہ میں ہم الگ الگ گفتگو کریں گے۔

۱۔ **اعتماد فکر** وہی بات امام صاحب کے منہ سے نکلتی تھی جس طرف ان کی فکر راہنمائی کرتی تھی۔ فکر و تامل کے بعد جس نتیجہ پر پہنچتے تھے اس کا اعلان بغیر کسی اندیشہ اور تامل کے کر دیتے تھے۔ خصوصاً اگر وہ امور ایسے ہوں جو لوگوں کے مالوف و مانوس عقائد و اعمال کے خلاف ہوں اور جن کی مخالفت از روئے علم و تحقیق امام صاحب کے لئے ناگزیر تھی۔ اس اعلانِ حق میں وہ اس کی کوئی پروا نہیں کرتے تھے کہ لوگ خوش ہوں گے یا ناخوش؛ جو بات انہیں حق نظر آتی اس کا بالاعلان اظہار کر دیا۔ نتیجہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ وہ بندوں سے اجر کے طالب نہ تھے۔ انہیں جو کچھ لینا تھا اللہ تعالےٰ سے لینا تھا۔ جب کبھی انہیں مناظرہ کے میدان میں گھسیٹا جاتا تو بغیر کسی تامل اور کمزوری کے وہ اپنے خیالات ظاہر کرتے تھے۔ نہ کسی بات پر مداہنت برتتے تھے۔ نہ کسی کو راضی رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔

۲۔ **جہاد قلم سے بھی اور تلوار سے بھی!** اللہ تعالےٰ کے راستے میں جہاد امام صاحب کا محبوب و مرغوب مشغلہ تھا۔ حریف اگر شمشیر بکف نظر آتا تو وہ بھی تلوار سونت کر میدان میں کود پڑتے جیسا تاتاریوں کے مقابلہ میں انہوں نے کیا۔ یا اگر اس کا قلع قمع بغیر تلوار کے نہ ہو سکتا تو بھی وہ تلوار لے کر میدان میں اتر آتے۔ جس طرح شام کے نصیریہ یعنی اہل جبل کے خلاف تلوار اٹھائی اس کے علاوہ حریت رائے کی امام صاحب کی نظر میں بڑی قدر و قیمت تھی اور اس راہ میں

وہ مصیبت اور اذیت کا خندہ جبینی کے ساتھ مقابلہ کرتے تھے جیسا کہ ہم حلف یا طلاق کے مسئلہ میں دیکھ چکے ہیں۔ کہ مسلمانوں کو خلفشار سے بچانے کی غرض سے ایک صاحب کا یہ مشورہ قبول کر لیا کہ وہ اس مسئلہ میں عام رائے کے خلاف سکوت اختیار کر لیں گے لیکن جوں ہی کہ حکومت نے اس میں دخل دینا شروع کیا، آپ نے اللہ تعالےٰ کے اس عہد و میثاق کو کہ علماء کو کتمانِ حق سے احتراز کرنا چاہیئے" شاہی حکم کی اطاعت پر مقدم رکھا ـــــ انتہا یہ کہ اس اعلانِ حق کے "مجرم" کی حیثیت سے قید کی حالت میں جان، جان آفرین کے سپرد کر دی!

۳۔ جذبۂ عفو و کرم | امام صاحب کے اخلاص کامل کا تیسرا مظہر ان کا وہ جذبہ عفو ہے جس کا اظہار وہ ان لوگوں کے مقابلہ میں کرتے رہے جنہوں نے اذیت اور تکلیف پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔ اغراض و ہوا، حسد اور بغض سے ان کا دامن بالکل صاف تھا۔ حد یہ ہے کہ امام صاحب نے ان فقہاء کو معاف کر دیا جنہوں نے قلعہ میں انہیں قید کرایا تھا۔ ان علماء سے بھی درگزر کیا جنہوں نے اسکندریہ میں انہیں اسیر زنداں کر دیا تھا سلطان ناصر جب ذاتی اور سیاسی مقاصد کے ماتحت ان فقہاء سے انتقام لینے پر تل گیا۔ تو وہ امام ابن تیمیہ ہی تھے جنہوں نے اس حرکت سے اسے باز رکھا اور برابر اس کے سامنے ان کے لئے کلمہ خیر کہتے رہے۔ اسے بالکل فراموش کر دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کوئی موقع انہیں تکلیف پہنچانے، رسوا کرنے اور زک دینے کا ہاتھ سے نہیں جانے دیا تھا۔ حتیٰ کہ افکار کو قلم بند کرنے کتابیں پڑھنے تک سے روک دیا تھا۔ مگر اس مخلص مردِ عظیم نے کھلے دل سے کہہ دیا

"میں نے ہر مسلمان کو جس نے مجھے ایذا پہنچائی ہے معاف کر دیا ہے"

بلکہ سلطان ناصر کی طرف سے خود ہی معذرت کر دی کہ

"وہ اپنی جگہ پر مخلص ہے جو اس نے مجھے قید کیا ہے"[1]

یہ اس ہستی کا اخلاص ہی تھا جو ہر حادثے پر غالب آیا اور یہ تھا عفیفِ نفس جس نے ہر ایذا رسانی سے درگذر کیا۔

---

[1] الکواکب ص ۱۹۹۔ اس واقعہ کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

(۴) جاہ ومنصب سے تنفر امام صاحب کے خلوص بے پایاں کا چوتھا ثبوت یہ ہے کہ وہ مناصب سے متنفر تھے۔ دنیا کی آرائش وزیبائش، جاہ وجلال اور رعنائی دلفریبی سے کوئی سروکار نہیں رکھتے تھے۔ انہوں نے کبھی کوئی منصب اور عہدہ نہیں چاہا۔ نہ ہی کوئی منصب اور عہدہ قبول کیا۔ اور نہ کبھی کسی سے جاہ ومنصب کے لئے کشمکش کی۔ نہ ہی اس کے لئے کسی سے جنگ لڑی۔ وہ صرف اس پر قانع رہے کہ مسند درس پر بیٹھ کر درس دیتے رہیں۔ منبر پر بیٹھ کر وعظ کہتے رہیں۔ وہ جاہ ومنصب کی طرف کبھی نہیں[1] دوڑے جس کے حصول کے لئے لوگ، جان کی بازی لگا دیا کرتے تھے۔ انہوں نے فقیرانہ اور قلندرانہ زندگی بسر کی۔ اتنے کھانے پر اکتفا کیا جس سے زندگی قائم رہے، اتنے لباس پر کفایت کی جس سے ستر پوشی ہو جائے۔ نہ انہیں لذیذ کھانا درکار تھا۔ نہ قیمتی پارچہ جات۔ فقیر ہونے کے باوجود دلکھ لٹ تھے۔ ضرورت سے زیادہ کوئی چیز ہوتی تو اپنے پاس نہ رکھتے۔ دوسرے ضرورت مندوں کو عطا فرما دیتے[2]

یہ تھا امام صاحب کا وہ اخلاص، حق تعالیٰ کے ساتھ اتصال اور اسی پر اعتماد کامل جس نے انہیں دشمن کے کید اور تدبیروں سے ہمیشہ محفوظ رکھا۔ امام ذہبی لکھتے ہیں۔

> "کتنی ہی مصیبتوں کے تیر تھے جو امام ابن تیمیہ پر ایک ہی چلے سے پھینکے گئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ہمیشہ محفوظ رکھا۔ کیونکہ وہ ہمیشہ بارگاہ الٰہی میں تضرع وزاری کیا کرتے تھے۔ خدا ہی سے مدد کے جویا رہتے تھے۔ خدا ہی پر توکل کرتے تھے عزم وحوصلہ ان کی سرشت میں داخل تھا۔ ہمیشہ اوراد واذکار میں مشغول رہتے تھے[3]

ایک عجیب وغریب الزام امام صاحب کے اس اخلاص وفدویت کے باوجود جہاں ان کی مخالفت میں اور بہت سی بے سروپا اور لاطائل باتیں کہی گئیں۔ نویں صدی ہجری میں آکر یہ بھی کہہ دیا گیا کہ امام صاحب میں عجب وغرور بھی تھا۔

---

[1] حافظ ابن رجبؒ نے نقل کیا ہے کہ ۶۹۰ھ سے قبل ہی قاضی القضاۃ اور مشیخۃ شیوخ کے عہدوں کی حکومت کی طرف سے پیش کش کی گئی۔ مگر امام صاحب نے انکار کر دیا وقد عرض علیہ قضاء القضاۃ ومشیخۃ الشیوخ فلم یقبل شیئاً۔ (ذیل طبقات الحنابلہ ص ۳۹۰/۲ ع۔ ح) [2] ان باتوں کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔ (ع۔ ح) [3] العقود ص ۱۱ وغیرہ

یہ الزام القول الجلی کے حاشیہ میں علامہ جلال الدین سیوطی کی طرف منسوب ہے۔ یہ قطعاً ناقابلِ قبول۔

امام ابن تیمیہؒ کا انتقال آٹھویں صدی ہجری کے ربع ثانی کے پہلے سالوں میں ہوا۔ سیوطی نے دسویں صدی ہجری کی پہلی چوتھائی (۹۱۱ھ) میں انتقال کیا۔ گویا دونوں میں دو صدیوں کا فرق ہے۔ لیکن اس عبارت سے مترشح ہوتا ہے کہ سیوطی نے ابن تیمیہؒ اور ان سے متعلق ہنگامے خود اپنی آنکھوں دیکھے ہیں۔ حالانکہ یہ کسی صورت درست نہیں۔

کیونکہ علامہ سیوطی سے منسوب عبارت کی دو ہی توجیہیں ہوسکتی ہیں یا تو سرے سے یہ کلام سیوطی کا ہے ہی نہیں۔ یا سیوطی نے یہ الزام امام صاحب کے کسی ہم عصر سے نقل کیا ہے لیکن وہ ہم عصر کون ہے؟ اس کا ذکر نہیں کیا۔ بنابریں دونوں صورتوں میں یہ الزام کوئی بھی تاریخی بنیاد نہیں رکھتا۔ لہٰذا قطعاً غلط اور غیر صحیح ہے۔ امام صاحب میں عجب و کبر تو کیا اس نوعیت کی کوئی شے بھی موجود نہیں تھی۔ اور نہ ہی آپ کے واقعاتِ زندگی سے یہ بات میل کھاتی ہے۔ آپ بے حد متواضع اور لوگوں میں گھل مل کر رہنا پسند کرتے تھے۔ ساتھیوں میں فروتنی و بے نفسی سے رہا کرتے تھے۔ آپ کے بعض ساتھیوں کی شہادت یہ ہے کہ عزتِ نفس تک کا اظہار ضیافت کے وقت ہی ہوتا تھا[1]

اصل بات یہ ہے کہ آپ کو تقریر و تحریر پر بے پناہ قدرت حاصل تھی۔ اپنے مدعا کو اس زور کے بیان سے ظاہر کرتے کہ دیکھنے والا حیرت میں رہ جاتا۔ مخالف فقہاء سے گفتگو کرتے وقت آپ ان کو لاجواب کر دیتے۔ ان بے چارے فقہاء نے اپنے عجز، این "تواضع" کا پردہ ڈالا اور امام صاحب کے غلبہ حجت برہان کو "عجب و کبر" کا نام دے دیا تاکہ خود تو شکست کھا کر اور سکوت فرما کر بھی ممدوح بنے رہیں اور امام صاحب فائز و کامران ہونے کے باوجود "مذموم" ٹھہریں۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ امام صاحب اگر چاہتے تو وہ بھی ساکت و خاموش رہ کر عوام میں اپنے وقار کا اضافہ کر سکتے تھے۔ مگر آپ کا اصل جوہر یہی تھا کہ آپ نے رضائے خالق کو پسندیدگی مخلوق پر مقدم رکھا

[1] الکواکب ص۱۵۹ و ص۲۰۲ وغیرہ میں امام صاحب کے اوصافِ حسنہ میں "تواضع و فروتنی" کو خاص طور پر شمار کیا گیا ہے۔ جس کی تفصیل مستقل عنوان کے تحت گذشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ (حنیف ندوی)

اور اس راہ میں فتویٰ تبدیع و تکفیر کے علاوہ بھی جو تکلیف آئی ہنسی خوشی برداشت کی۔

فصاحت اور قدرت بیان | امام صاحب کی چھٹی صفت فصاحت اور قدرت بیان ہے امام صاحب بہت بڑے خطیب تھے۔ ان کے زورِ کلام اور جوش بیان سے چوب منبر پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ خدائے بزرگ و برتر نے ان میں زبان و قلم کی فصاحت یک جا کر دی تھی۔ جس پایہ کے خطیب آتش نوا تھے۔ اسی پایہ کے شعلہ نگار۔ اہل قلم اور انشا پرداز بھی تھے۔

فصاحت کا یہ جوہر موروثی تھا۔ امام صاحب کے والد کے حسن کلام کی دھوم تھی۔ ان کے اجداد میں بھی خطابت کا کمال موجود تھا۔ ان میں سے ایک صاحب تو اتنے بڑے خطیب تھے۔ کہ مدتوں جامع بغداد میں خطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

علاوہ ازیں اس کی اہم وجہ یہ بھی تھی کہ قرآن مجید کی کثرتِ تلاوت، احادیث نبویہ کے حفظ اور دوام نے آپ کے خزینۂ دماغ میں جید الفاظ کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کر دیا تھا۔ پھر مناظرات و تبادل افکار کے میدانوں نے اس کو اور جلا دی۔ ان سب عوامل کا نتیجہ یہ ہوا کہ بداہت گوئی اور ارتجال گویا عادتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ کیونکہ گفتگو اور ہر مناظرہ سے پہلے حافظہ علمی ذخائر سے مالا مال تھا۔

شجاعت | ساتویں صفت شجاعت تھی ـــــ یہ بھی امام صاحب کی ایک بہت بڑی صفت تھی اور اس صفت کے لازمی اجزا یعنی صبر و برداشت کا مادہ بھی بدرجہ اتم ان میں پایا جاتا تھا۔ استقلال فکر کے بعد سب سے نمایاں اور ممتاز خصوصیت جس نے انہیں وقت کے دوسرے علماء پر فوقیت دے رکھی تھی یہی تھی۔

امام صاحب کے زمانہ میں علماء کا کام ایک جگہ جم کر پڑھنا پڑھانا تھا۔ جس سے ان کے جوڑ اور پٹھے ڈھیلے پڑ جاتے تھے۔ ان علماء کا خیال تھا کہ عالم کی قوت و طاقت کا مرکز و مصدر یا اس کی نوکِ قلم ہے یا دماغ، قوم کے اعضا و جوارح دوسرے عناصر ہوتے ہیں۔ دماغ صرف عالم ہوتا ہے۔ قوت بدن کے لئے سپاہی کافی ہیں۔ عالم کو اس سے کیا سروکار ہے؟ غالباً ہندو فلسفہ ویدانت کا اثر تھا۔ اس فلسفہ کی رو سے قوم کی طاقت سپاہی اور فوج ہے،

کیونکہ یہ لوگ (سپاہی) برہما کے بازو سے پیدا ہوتے ہیں۔ رہے (برہمن) تو یہ برہما کے سر سے پیدا ہوتے ہیں لہٰذا قوم کا دست و بازو سپاہی ہوتے اور فکر و دماغ برہمن (علماء) یہ تھا امام صاحب کے زمانہ میں علمائے عصر کا حال، یہی وجہ تھی کہ جب تاتاری لشکر تاخت و تاراج کرتا ہوا بڑھا تو یہ علماء بھاگ کھڑے ہوئے اور مصر میں جا کر پناہ گزیں ہو گئے۔

امام ابن تیمیہ کا حضرت علی سے تشابہ لیکن اس کے برعکس امام صاحب کی شان ہی کچھ اور تھی۔ ان کی یہ رائے تھی کہ علم اور سپہ گری میں کوئی تباین اور تناقض نہیں ہے۔ عالم کا فرض ہے کہ جب حالات کا تقاضا ہو تو بے تامل سپاہی بن جائے اور جب امن و امان استوار ہو جائے تو سپہ گری کا جامہ اتار کر پھر علم کے عمامہ اور عبا قبا میں ملبوس ہو جائے امام صاحب کی یہ رائے اقتدار سلف صالح اور آثار سلف کی پیروی کے جذبہ پر مبنی تھی۔ وہ جانتے تھے حضرت علیؓ ایک طرف تو علم کے شہر کا دروازہ اور بہت بڑے قاضی تھے۔ دوسری طرف بہت بڑے سپاہی بھی۔ وہ عالم، عابد، زاہد اور درویش بھی تھے۔ سپاہی، سالار لشکر، امیر جیش اور امام عادل بھی تھے وہ جب، میدان جنگ سے پلٹتے تھے تو ان کی تلوار سے خون کے قطرے ٹپک رہے ہوتے تھے۔

بالکل یہی کیفیت امام ابن تیمیہ کی بھی تھی۔ میدان جنگ میں ان سے بڑھ کر دلیر اور سورما کوئی نہ تھا۔ ان کی شجاعت اور دلیری ان لوگوں سے بازی لے جاتی تھی۔ ساری عمر جنگ کے میدان میں تلوار چلاتے گزری تھی۔ اس لئے کہ ان کی شجاعت نصر و قتال کا نتیجہ تھی اور امام صاحب کی شجاعت قلب و دین کا نتیجہ۔

امام صاحب شجاعت کی ایک اور قسم کے بھی مالک تھے۔ وہ شجاعت تھی علم و ادب کی۔ اس کے سبب وہ بارہا مصائب اور نوائب میں مبتلا ہوئے جو بات حق سمجھی اسے فاش و برملا کہہ گزرے۔ نہ کسی کمزوری کا اظہار کیا نہ مروت کا۔ فقہاء اور اکابر کے مقابلہ کرنے میں بھی تامل نہ کیا۔ اور اس جنگ میں نہ قدم پیچھے ہٹے نہ زبان لڑکھڑائی۔

غور کیجئے تو امام صاحب کی ساری زندگی جہاد ہی جہاد ہے۔ وہ حق کی راہ میں جہاد ہی

کرتے رہے جب امراء حکومت اور سلطان وقت نے مخالفوں کا ساتھ دیا تو اس تکلیف اور اذیت کا استقلال اور استقامت کے ساتھ مقابلہ کیا۔ امام صاحب کی کتاب حیات کا ہر صفحہ اس حقیقت کو بیان کر رہا ہے کہ آپ کو اپنے معاصر فقہاء پر فکر و حجت کے اعتبار سے ہی غلبہ حاصل نہیں تھا۔ بلکہ ارادہ، عزم و ہمت میں بھی ان سے فائق تھے۔

شجاعت اور دلیری کے ساتھ ساتھ امام صاحب حد درجہ کے صابر بھی تھے۔ جسم، عقل اور قلب ہر اعتبار سے غیر معمولی صبر و برداشت کا جوہر رکھتے تھے۔ ان کا جسم مضبوط اور توانا تھا۔ ان کا دل بڑا اور وسیع تھا۔ ہر ناگوار بات کو وسعت قلب کے ساتھ برداشت کر لیتے تھے۔ ان کی عقل بھی بڑی اور گرہ کشا تھی۔ وہ دلیل کو دلیل سے کاٹتے تھے۔

اپنی زندگی کے ہر دور میں وہ صبر اور قوت برداشت کا ثبوت دیتے رہے۔ ان کی زندگی عمل سے عبارت تھی۔ وہ خاموش ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ ہی نہیں سکتے تھے جیل میں بند کر دیئے گئے تو تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کر دیا۔ گویا وہ اسے گوارا ہی نہیں کر سکتے تھے کہ زندگی کا ایک لمحہ بھی رائیگاں جائے، پھر سختی کا دوسرا دور آیا۔ کتابیں چھین لی گئیں قلم، دوات اور کاغذ کی سہولتیں واپس لے لی گئیں۔ لیکن ہوا کیا؟ پھٹے پرانے کاغذ کے ٹکڑے نزد تھے اور کوئلہ موجود تھا۔ نہ فکر کا بہاؤ روکا جا سکا نہ طبیعت کی روانی۔ پھر جب کوئلہ بھی دسترس سے باہر ہو گیا تو کتاب الٰہی کی خشوع و خضوع اور فہم و استغراق کے ساتھ تلاوت شروع کر دی۔ غرض عمل سے فارغ ہو کر وہ ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں بیٹھے۔ یہاں تک کہ جیل کے اندر مرض الموت میں بھی قرآن پاک کی تلاوت باقاعدہ فرما رہے تھے۔ زبان پر جو آخری الفاظ تھے وہ بھی قرآن ہی کے تھے چنانچہ انتقال کے وقت روزانہ کی منزل اس آیت کریمہ پر پہنچی تھی[1]

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ (القمر: ۲)

فراست | آٹھویں صفت جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امام صاحب کو عطا ہوئی تھی۔ وہ قوت فراست تھی۔ ان کی تیز ذہانت اور حدت عقل بعض دفعہ انسان کے چہرے سے دل کی بات کا اندازہ کر لیتی تھی۔ ان کی فراست، ڈھکی چھپی چیزوں کو پہچان لیتی اور پراگندہ نقاب کر دیتی تھی۔

[1] البدایہ ج ۱۰ صفحہ ۳۳۸ و ذیل طبقات الحنابلہ صفحہ ۲۶ (ع۔س)

ان کا ظن اور گمان حقیقت اور مشاہدہ بن جاتا تھا۔ انہوں نے تاتاریوں کی کمزوری بھانپ لی تھی۔ اور قسم کھا کر اعلان کر دیا کہ مصر و شام کا لشکر غالب رہے گا۔ لوگ تاتاریوں کی قوت سے نہیں ہارتے تھے دہشت اور رعب کے باعث شکست کھاتے تھے۔ امام صاحب کے اس رویہ نے لوگوں کا حوصلہ بلند کر دیا، دہشت دور ہو گئی، رعب کافور ہو گیا۔ کیا یہ امام صاحب کی فراست، اور نفاذ بصیرت کا ثبوت کامل نہیں ہے؟

ایک مرتبہ امام صاحب نے دمشق کے بازار میں ایک شخص کو دیکھا جو طالب علم کے لباس میں حیران و پریشان گھوم رہا تھا۔ اس لئے کہ اس کے پاس کھانے پینے کو کچھ بھی نہ تھا۔ امام صاحب نے اسے آواز دی اور جب وہ قریب آیا تو اس کے ہاتھ میں چند درہم رکھ دیئے اور فرمایا۔

"انہیں خرچ کرو۔ بے فکر ہو جاؤ، کھاؤ پیو"[1]

حالانکہ اس شخص نے اپنی کوئی حاجت امام صاحب سے نہیں بیان کی تھی! — لیکن یہ فراست مومن تھی جس نے امام صاحب پر حقیقت حال منکشف کر دی۔

جو لوگ، جمہور (پبلک) کی اصلاح و ترقی کا کام کر رہے ہیں، ضروری ہے کہ قوت، فراست اور نفاذ بصیرت سے بہرہ ور ہوں، ان میں اتنی فراست اور قیافہ شناسی ہونی ہی چاہیئے کہ آنکھیں دیکھ کر دل کی واردات پڑھ لیں۔ رنگ رخ دیکھ کر کسی کا عزم و ارادہ بھانپ لیں۔ ان میں یہ ملکہ ہونا چاہیئے کہ لوگوں کے وجدان کا اندازہ کر لیں۔ اور ان کے شعور و ادراک کو تول لیں۔

خدائے بزرگ و برتر نے امام صاحب کو ادراک روحی اور احساس نفسی کی دولت سے مالامال کیا تھا۔ وہ جب بھی کسی جماعت یا شخص کو مخاطب کرتے براہ راست اس کے شعور اور وجدان اور خطرات قلب کو محسوس کر لیتے تھے۔ البتہ جن کے دماغ میں دشمنی بھری تھی اور جو مخالفت پر اترے ہوئے تھے ان کے ادراک کے منافذ بے شک بند رہتے تھے وہ اگر امام صاحب کے قول حق سے متاثر نہیں ہوتے تھے تو یہ خود ان کا نقص تھا نہ کہ قائل (امام صاحب) کا۔[2]

---

[1] الکواکب ص ۱۵۹ (ع ح)، [2] امام صاحب کی فراست کے متعدد واقعات حافظ ابن القیمؒ نے مدارج السالکین ص ۲۷۰-۲۷۱ ج ۲ میں اور صاحب الکواکب الدریہ ص ۱۵۹، ۱۶۰ نے ذکر کئے ہیں۔ ابن القیم لکھتے ہیں۔ ولقد شاهدت من فراسة شيخ الاسلام ابن تيمية رحمه الله امورا عجيبة وما لم اشاهده منها اعظم واعظم ووقائع فراسته تستدعي سفرا ضخما (ص ۲۷۰ ج ۲) میں نے امام ابن تیمیہ کی ایسی عجیب اور اتنی فراستوں کا مشاہدہ کیا ہے کہ اس کے بیان کے لئے ایک دفتر چاہیئے۔